© rasailojaraid.com

از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

درس حدیث (ترمذی شریف)

بحمد اللہ حضرت شیخ الحدیث کے درس ترمذی شریف کے آمالی کی تدوین و ترتیب کا کام حقائق السنن کے نام سے شروع ہو چکا ہے کتاب کی ایک حدیث پر حضرت کے افادات افادۂ اہل علم کے لئے بطور ایک گراں مایہ اور نادر تحفے کے پیش کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

باب ما جاء فی فضل الطهور حدثنا اسحاق ابن موسى الانصاری نا معن بن عیسی نا مالك بن انس ح وحدثنا قتيبة عن مالك عن سهيل بن ابی صالح عن ابيه عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا توضأ العبد المسلم او المؤمن فغسل وجهه خرجت من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينيه مع الماء او مع آخر قطر الماء او نحو هذا واذا غسل يديه خرجت من يديه كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء او مع آخر قطر الماء حتى يخرج نقيًا من الذنوب۔

امام ترمذیؒ اپنی "جامع" کے پہلے تین ابواب کو طبعی اور فطری ترتیب کے مطابق لاتے ہیں۔ یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے۔ پہلے باب میں قبولیت صلوٰۃ کا طہارت پر موقوف ہونے کا بیان تھا۔ اس دوسرے باب میں طہارت کی فضیلت کا بیان ہے۔ اور تیسرے باب میں وضو کو مفتاح صلوٰۃ قرار دے کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وضو اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسان نماز میں داخل ہی نہیں ہو سکتا۔

الطھور جمہور علماء اس سے مراد ہر وہ چیز لیتے ہیں جس سے طہارت حاصل کی جا سکے۔ چاہے پانی ہو یا مٹی طُہور بالضم کا مدلول معنی مصدری تطہر و طہارت ہے اور طَہور بالفتح سے مراد "ما یتطہر به الانسان" ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں دونوں معانی مراد ہوسکتے ہیں۔ پہلے معنی (الطہور بالضم) کی صورت میں مراد یہ ہوگی کہ "باب ماجاء فی فضل التطہیر" اور الطہور بالفتح لیں تو معنی یہ ہوگا کہ "باب ماجاء فی فضل الطہور سواءً کان ماءً او صعیداً"۔ پھر طہور بمعنی طہارت عام ہے۔ جو ثیاب، مکان، بدن وغیرہ سب کو شامل ہے۔ صرف سیبویہ الطہور بالفتح اور بالضم میں فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح لفظ وضو بالفتح و بالضم سیبویہ کے نزدیک ایک ہی چیز ہے جب کہ عام علماء ہر دو میں فرق کرتے ہیں۔ الطہور بالفتح پانی اور مٹی دونوں سے ہوتا ہے۔ جب کہ وضو بالفتح صرف پانی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح طہور بالضم عام ہے۔ وضو بالضم سے۔ کیونکہ طہور بالضم طہور ثیاب و مکان و جسم سب کو عام ہے جب کہ وضو بالضم صرف اعضاء اربعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

حدثنا اسحٰق بن موسیٰ الانصاری | اسحٰق بن موسیٰ الانصاری امام ترمذیؒ کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس سند میں پورے نام سے آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اکثر مقامات پر آپ صرف "حدثنا الانصاری" کہتے ہیں۔ تو وہاں امام ترمذیؒ کے یہی شیخ مراد ہوتے ہیں۔ جو مصنف کے استاد ہیں۔ اور ۲۴۴ھ میں وفات پائی ہے یہ نہ صحابی ہیں نہ تابعی اور نہ تبع تابعی۔

لطیفہ: ایک دفعہ سالانہ امتحان کے پرچہ میں یہ روایت اسی سند کے ساتھ آئی۔ سوال تھا انصاری سے مراد کون سے ہیں؟ ابو ایوب انصاریؓ۔ یا انسؓ۔ زید بن ارقمؓ یا کوئی اور؟ تو طلبہ لفظ انصاری کے اشتباہ سے حیران ہو کر رہ گئے کہ کیا لکھیں۔ حالاں کہ یہ انصاری صحابی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو انصار صحابہؓ کے کئی درجات بعد کے رواۃ سے ہیں۔

مدار الاسناد کا تکرار اور سندی نکات | زیر بحث حدیث ایک ہے جس کے اسناد دو ہیں مابہ اشتراک مالکؒ ہیں۔ پہلی سند میں امام ترمذی اور امام مالک کے درمیان دو واسطے ہیں۔ ایک اسحٰق بن موسیٰ الانصاری اور دوسرے معن بن عیسیٰ جب کہ دوسری سند میں امام ترمذی اور امام مالک کے درمیان ایک واسطہ قتیبہ کا ہے

معروف طریقہ سے مخالفت کا اشکال | مصنفین کی عام عادت یہ ہے کہ وہ مدار الاسناد یا مابہ الاشتراک (جیسا کہ زیر بحث سند میں امام مالک ہیں) کو اختصاراً ایک مرتبہ ذکر کر کے "ح" تحویل کا نشان لگا دیتے ہیں۔ مگر یہاں پر ہر دو سندوں میں مدار الاسناد (مالک) کو ذکر کر کے امام ترمذیؒ نے عام مصنفین کے معروف طریقہ کی مخالفت کی ہے۔

جواب: محدثین حضرات سند یا متن میں الفاظ کی پیروی کرتے ہیں بخلاف مناطقہ کے، کہ وہ مفاہیم کے پیچھے چلتے ہیں۔ علم حدیث کا تعلق روایت اور نقل سے ہے۔ اساتذہ جو الفاظ بھی بتاتے ہیں تلامذہ وہی لیتے ہیں۔ ہم حدیث کے طلبہ کو اپنے اساتذہ سے حصول علم حدیث میں ہندوستانیوں کے محاورہ کے مطابق "لکیر کا فقیر" کہہ سکتے ہیں کہ استاد جس لکیر پر چلا ہے تلامذہ اس سے ایک ذرہ بھی ادھر ادھر نہیں سرک سکتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدثین کا کمال حزم و احتیاط محدثین کے اس قدر حزم و احتیاط سے دین محفوظ ہے اگر محدثین بھی اہل منطق کی طرح مفاہیم کا تتبع کرتے اور سند کے الفاظ میں انہیں ترمیم کا اختیار ہوتا تو آج ہمارے پاس اس دین محفوظ کے بجائے "نتیجۂ محدثین کے آراء ہوتے۔ آج سند میں ترمیم کے مجاز ہوتے کل متن میں ترمیم کر ڈالنے کے مجاز ہوتے۔ اس لئے اس نوعیت کے تمام دروازے بند کر دیے گئے اور الفاظ ہی کا تتبع ضروری قرار دیا گیا۔ تو امام ترمذیؒ بھی دونوں سندوں میں مالک کو تکرار سے اس لئے لائے ہیں کہ وہ اپنے لئے کسی سند میں بھی ترمیم کرنے کا حق نہیں سمجھتے تھے چونکہ سندین میں قدرے فرق ہے پہلی سند میں مالک منسوب الی الاب ہیں اور دوسری سند میں مطلق ذکر ہوئے ہیں۔ اگر امام ترمذیؒ دوسری سند میں مالک بن انس کہہ دیتے تو یہ گویا اصل سند پر ایک گونہ زیادتی تھی اور اگر پہلی سند میں ابن انس کو حذف کر دیتے تو یہ گویا سند میں ایک گونہ ترمیم ہو جاتی۔ اس لئے مصنفؒ نے کسی اضافہ اور ترمیم کے بغیر ہر دو سندوں کو اپنی اصل حالت پر قائم رکھنے کے لیے مدار سند کو دوبارہ ذکر کر دیا۔

اس کے علاوہ سندین میں دوسرا فرق بھی ہے کہ پہلی سند میں معن نے امام مالک سے روایت "حدثنا" کے صیغے سے کی ہے اور دوسری سند میں قتیبہ، مالک سے بصیغہ "عن" روایت کرتے ہیں۔ دوسری سند گویا معنعن ہے۔ اور حدیث معنعن میں اتصال و انقطاع دونوں کا احتمال موجود ہوتا ہے۔ پھر قرائن سے معلوم کیا جاتا ہے کہ آیا ہر دو راویوں کے درمیان ملاقات ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر یہ معلوم نہ ہو سکے تو آیا امکان ملاقات دونوں کا تھا یا نہیں۔ اگر امکان ملاقات ثابت ہو جائے تو امام مسلم کے نزدیک روایت متصل ہے جب کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یقینی ملاقات کا ہونا، اتصال روایت کے لئے شرط ہے۔

یہ تفصیل اس لئے کر دی تاکہ سندین کا معنوی فرق بھی سمجھ میں آجائے اور سندین کا یہ معنوی فرق اس وقت باقی رہ سکتا ہے جب مصنف ہر دو سندین کو مکمل مع مدار الاسناد کے ذکر فرمائیں۔ یہی معنوی فرق، جو بظاہر ایک معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ لیکن محدثین حضرات اس فرق کے اظہار کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ ایک حدیث کو اپنی کتاب میں ۲۲ یا ۲۲ مرتبہ ذکر فرماتے ہیں جو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے۔ اور امام بخاریؒ تکرار کے قائل ہی نہیں تو وہاں بھی اصل وجہ روایات کا سندات میں یا متن میں لفظی اور معنوی فرق ہوتا ہے جس سے روایت کی حیثیت بدل جاتی ہے۔

اذا توضاء العبد المسلم او المومن متن حدیث میں توضأ آیا ہے۔ تطہر نہیں فرمایا گیا۔ کیونکہ دونوں کے مفہوم میں فرق ہے۔ تطہر کا معنی صرف نجاست کا ازالہ ہے جب کہ توضأ کے مفہوم میں ازالہ نجاست کے ساتھ ساتھ ایک نور اور روشنی بھی ملحوظ ہے جیسا کہ احادیث نبوی میں وضو کرنے والوں کو "غراً محجلین"[1] قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] فقال رجل: یا رسول اللہ کیف تعرف امتک من بین الامم فیما بین نوح الی امتک قال: هم غر محجلون من اثر الوضوء لیس احد کذالک غیرهم۔ مشکوٰۃ کتاب الطہارت۔ فصل ثالث۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تطہیر بغیر ارادہ کے بھی متحقق ہو سکتا ہے جب کہ توضی میں ارادہ ضروری ہے[1]

شارع کی ہر تعبیر میں ہزارہا علوم ہوتے ہیں

شارع علیہ السلام نے بجائے "اذا توضأ انسان او رجل" یا اذا توضأت امرأة" فرمانے کے "اذا توضأ العبد المسلم" سے تعبیر فرمائی۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام جو افصح العرب والعجم ہیں، ان کی ہر تعبیر اور ہر لفظ میں سینکڑوں علوم اور ہزارہا فوائد ہوتے ہیں مثلاً ہم حدیث زیر بحث کے لفظ "توضأ العبد" پر غور کرتے ہیں تو یہاں متوضی کی تعبیر "عبد" سے کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بحیثیت انسانیت و رجلیت کے ایک کام کرنے کا حکم علیحدہ ہوتا ہے۔ اور بحیثیت عبدیت و مسلمیت کے یہ کام کرنے کا حکم علیحدہ ہوتا ہے۔

کیونکہ لفظ انسان لفظ رجل اور لفظ امرأة ذات سے عبارت ہیں۔ جب بھی ان پر حکم لگے گا علت معلوم نہ ہو گی۔ مثلاً ہم کہتے ہیں اکرم زیداً۔ اب ہمیں اس جملہ سے زید کے اعزاز و اکرام کی اصل وجہ اور علت معلوم نہیں ہو سکتی۔ مگر جب حکم کسی اسم موصوف بصفۃ پر لگتا ہے تو قاعدہ کے مطابق مبدا اشتقاق وہ صفت "علت" بن جاتی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ "العالم مکرم والجاہل مہان"۔

پہلے جملہ میں وجہ اکرام ظاہر ہے کہ وہ علم ہے اور دوسرے جملہ میں بھی وجہ اہانت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ جہالت ہے۔

اب اگر متوضی کی تعبیر بجائے العبد کے الانسان، الرجل، المرأة سے کی جاتی تو یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ وضو کی اصل علت کیا ہے۔ کیونکہ عام صفائی اور ہاتھ منہ دھوتا، غسل کرنا، تو عام انسان ہندو، سکھ اور انگریز بھی کر لیتے ہیں اور ان کا یہ فعل بحیثیت انسانیت کے ہے۔

عبدیت وصف کامل ہے

مگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب متوضی کو عبد مسلم سے تعبیر فرمایا تو معلوم ہوا کہ متوضی کو وضو کرنا بوجہ "وصف عبدیت" اور مسلم ہونے (فرماں بردار) کے ہے۔ جو اصل علت ہے۔ ایک مسلمان کے وضو کرنے کا حقیقی باعث گویا وصف عبدیت ہوتی ہے اور انسان کے تمام اوصاف میں "وصف کامل" صفت عبدیت ہے۔ ایک سچے عبد کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بغیر اپنی عبودیت اور خدا تعالیٰ کی رضا کے اور کوئی چیز بھی مثلاً جنت، جہنم، اجر و ثواب، حور و غلمان، ملحوظ خاطر نہیں ہونی چاہئے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں عبد

---

[1] توضأ فعل ہے اور فعل کا اطلاق علی العموم ارادہ فعل، شروع فی الفعل اور فراغ عن الفعل پر مجازاً آتا ہے جیسے اذا قمتم الی الصلوٰۃ۔ الآیۃ۔ قمتم بمعنی اردتم کے ہے لہٰذا یہاں توضأ کا معنی دخل فی الوضو بھی کر سکتے ہیں اور فرغ من التوضی بھی اس دوسرے معنی کی صورت میں فا تفصیل کے لئے ہو گی۔ (مرتب)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ کہ نہ تو وہ مولیٰ سے تنخواہ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور نہ قیام طعام اور کپڑوں کا۔

اگر بالفرض ایک عبد قاضی کی عدالت میں اپنے مالک سے قیام طعام اور کپڑوں وغیرہ کے مطالبے کا دعویٰ بھی دائر کردے تو قاضی مالک کو عبد کا مطالبہ ماننے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ البتہ آخرت میں خدا تعالیٰ کی عدالت میں ایسے مالک پر ضرور گرفت ہو گی۔

<u>عبدیت انسانیت کے تمام درجات میں بلند ہے</u> | عبدیت ایک ایسا وصف کمال ہے جو انسانیت کے تمام درجات میں سب سے زیادہ بلند ہے جس قدر عبدیت زیادہ ہو گی۔ اسی قدر اس پر کمالات انسانی مرتب ہوں گے۔ عبدیت میں جس طرح کمال ہو گا۔ رسالت بھی اسی قدر کامل ہو گی۔

صوفیائے حضرات بھی یہی فرماتے ہیں کہ تمام کمالات و اوصاف میں اصل وصف عبدیت ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بہت سے مقامات پر وصف عبدیت کے ساتھ کیا ہے۔ سبحان الذی اسری بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام (الآیۃ) ۔ ۲۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا (الآیۃ) ۔ ۳۔ وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ (الآیۃ) ۔ ۴۔ شہادتین میں بھی وصف عبدیت کا اولاً اور وصف رسالت کا ثانیاً ذکر ہوا ہے۔ اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔

لہٰذا جو رسول ہو گا اس میں عبدیت بھی کمال درجہ پائی جائے گی۔

جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے عالم مثال میں شکایت کی اور یہ شکایت بھی بطور شکوہ کے نہ تھی بلکہ ناز و محبت کی گفتگو تھی اور ایک گونہ طالب علمانہ مناظرہ تھا۔ عرض کیا۔ ابا جان! اگر آپ شجر ممنوعہ نہ کھاتے تو ہم زمین پر نہ آتے۔ اس فرعون سے مقابلہ نہ ہوتا۔ میری وجہ سے ۸۰ ہزار بچوں کو ذبح نہ کیا جاتا۔ جس تاریخ سے پیدا ہوا ہوں مسلسل مظالم شروع ہیں۔

حضرت آدمؑ نے جواب میں فرمایا۔

موسیٰؑ! مجھے ملامت کیوں کرتے ہو۔ یہ سب تقدیر کا معاملہ ہے حتیٰ کہ میری پیدائش سے بھی ۵۰ ہزار سال قبل لوح محفوظ پر یہ مرقوم تھا کہ میں نے دانہ کھانا ہے اور ہبوط الی الارض ہونا ہے۔

ترمذی جلد ثانی باب القدر میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ بالآخر حضرت آدمؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا۔[۱]

---

۱ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احتج آدم وموسیٰ فقال موسیٰ یا آدم انت الذی خلقک اللہ بیدہ ونفخ فیک من روحہ اغویت الناس واخرجتہم من الجنۃ قال فقال آدم انت موسیٰ الذی اصطفاک اللہ بکلامہ اتلومنی علیٰ عمل عملتہ کتبہ اللہ علیّ قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض قال فحج آدم موسیٰ۔ جامع الترمذی ج ۲ ص ۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر یہی سوال اور اس نوعیت کا معاملہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم سے ہوا اور آپ جنت سے نکالے گئے تو وہاں بظاہر مسئلہ تقدیر ایک زبردست عذر اور صحیح جواب تھا۔ آپ خدا کے حضور یہ ذکر کر سکتے تھے کہ یہ تو عین تقدیر کا مسئلہ تھا جو میری پیدائش سے ۵ ہزار سال قبل لکھا جا چکا تھا اس میں میرا کیا قصور ہو سکتا ہے۔ لیکن مالک حقیقی کے سامنے سیدنا آدمؑ اپنی اصل عبدیت کا اظہار کرتے ہیں اور سرِ نیاز جھکا کر اعتراف عبدیت کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔"

سیدنا آدم بڑے اولوالعزم پیغمبر تھے صاف عرض کر دیا۔ جی میری خطا ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔

عبدیت کمال تذلل کا نام ہے | الغرض عبدیت کا معنی کمال تذلل ہے۔ جس شخص میں جس قدر عبدیت ہوگی اس پر اتنا ہی زیادہ قبولیت کا نتیجہ مرتب ہوگا۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ادنیٰ غلام ایاز نے جب اپنے آقا (بادشاہ) محمود غزنوی کے ہر حکم کی تعمیل میں عبدیت (بمعنی کمال اطاعت و کمال تذلل) اختیار کی تو اسے قرب و اعزاز کا وہ مقام حاصل ہوا جو بڑے بڑے وزراء بھی حاصل نہ کر سکے۔

اصل قصہ یہ تھا کہ محمود غزنوی اپنے غلام ایاز سے محبت اور اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر دیگر مقربین، وزراء وغیرہ نے بادشاہ کے اس رویہ پر اعتراض کیا۔ تو ایک روز بادشاہ نے سب کو بلایا اور اپنی میز پر لعل و جواہرات سے مرصع ایک قیمتی گلاس بھی رکھا ۔ اور ایک ایک وزیر کو اس کے توڑنے کا حکم دیا۔ مگر ہر ایک کو بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں تامل ہوا کہ لاکھوں روپے کی مالیت کا نقصان کیوں کیا جائے۔ مگر یہی حکم جب ایاز کو ملا تو اس نے بغیر کسی تامل کے گلاس کو فرش پر دے مارا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

بادشاہ غضب ناک ہوا اور کہا۔ ایاز! تو نے یہ کیا حرکت کی؟ کہ لاکھوں روپے کا نقصان کر دیا۔

ایاز نے بجائے یہ کہنے کے کہ جناب آپ کا حکم تھا۔ فوراً روتے ہوئے معافی کی درخواست کی۔ حضور! میں ادنیٰ غلام ہوں، کم عقل ہوں یہ سراسر میری ہی غلطی ہے جس کی میں معافی چاہتا ہوں۔

محمود غزنوی نے وزراء سے کہا کہ تمہارا اور ایاز کا یہ فرق ہے۔ تمہیں حکم کی تعمیل میں تامل تھا ایاز کو حکم ملا تو بلا سوچے سمجھے کر ہی ڈالا۔ اور جب ڈانٹ ملی تو اپنے ہی کو قصوروار ٹھہرایا۔ یہی وجہ تھی کہ آقا اپنے غلام پر گرویدہ تھا۔

محمود غزنوی کہ ہزاراں غلام داشت ۔۔۔ عشقش چناں گرفت کہ غلام غلام شد

اَوْ کے مواقع استعمال | بعض اوقات لفظ اَوْ شک کے لئے آتا ہے اور کبھی تنویع و تقسیم کے لئے بھی مگر جب شک کے معنی میں مستعمل ہو تو ضروری ہے کہ اَوْ کے بعد ہمیشہ فال پڑھا جائے اور جہاں تقسیم یا تنویع کی غرض سے لایا گیا ہو تو وہاں فال پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لفظ اَو کے دو معانی میں مستعمل ہونے کا فرق، ذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیلیم اور سیاق وسباق اور قرائن سے معلوم ہوجاتا ہے جب اَوْ بمعنی شک کے آیا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی (جب صحابی ہو) کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ میں شک ہے کہ آیا آپؐ نے لفظ مسلم فرمایا تھا یا لفظ مومن؟

اور اگر راوی تابعی ہو یا تبع تابعی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی کے اپنے شیخ کے الفاظ میں شک ہے آیا انہوں نے لفظ مسلم فرمایا تھا یا لفظ مومن۔ اسی طرح جب ہم حدیث کے الفاظ پڑھتے ہیں تو اس کے آخر میں " اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام " کا اضافہ کردیتے ہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ حدیث رسول ؐ کا مضمون تو یہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے مگر اس کے الفاظ میں تردد ہے۔ کہ کونسا لفظ فرمایا تھا۔

الفاظ حدیث کی تقریر عبارت یوں ہوگی کہ

اذا توضأ العبد المسلم او" قال" المومن

اب اگر قال کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو صحابی کو شک ہے اگر مرجع صحابی ہیں تو تابعی کو شک ہے اگر مرجع مالکؒ ہیں تو قتیبہ کو شک ہے۔ وقس علی ہذا۔

مسلم اور مومن کا فرق، منافق کا حکم اور ایک اشکال کا حل

یہاں حدیث میں لفظ مسلم سے بظاہر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مسلم کا اطلاق جیسے مومن صادق پر آتا ہے اسی طرح منافق بھی اس کا مصداق بن سکتا ہے۔ اور اسے بھی مسلم کہا جاتا ہے جس سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرنے سے منافق کے گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ قطعی نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ منافق کے سارے اعمال غارت ہیں۔

اس اشکال سے پانچ جواب دئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ امام نسائیؒ نے اس روایت کی مکمل تخریج کی ہے[۱] جس میں سر اور پاؤں وغیرہ کے دھونے سے ان اعضاء کے گناہوں کے جھڑ جانے کا بھی ذکر ہے۔

نسائی کی روایت میں المسلم کے بجائے المومن ہی مذکور ہے اور مومن کا اطلاق منافق پر ہوتا ہی نہیں۔ نیز

---

[۱] عن عبداللہ الصنابحی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا توضأ العبد المومن فتمضمض خرجت الخطایا من فیہ واذا استنثر خرجت الخطایا من انفہ فاذا غسل وجہہ خرجت الخطایا من وجہہ حتی تخرج من تحت اشفار عینیہ فاذا غسل یدیہ خرجت الخطایا من یدیہ حتی تخرج من اذنیہ فاذا غسل رجلیہ خرجت الخطایا من رجلیہ حتی تخرج من تحت اظفار رجلیہ ثم کان مشیہ الی المسجد وصلواتہ نافلۃ لہ،

(نسائی ج ا ص ۱۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسائی کی روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہاں بھی المسلم کی وہ عمومیت باقی نہیں رہی جس میں منافق کو بھی شامل کیا جائے۔

۲۔ العبد المسلم، میں عبدیت ہے جو ایک وصف ہے جب کسی وصف پر حکم مرتب ہو تو وصف علۃ الحکم کہلاتا ہے۔ یہاں بھی حکم کے لئے وصف عبدیت علت ہے جو منافق موجود نہیں۔

عبدیت، اطاعت مولیٰ لا لغرض ولا لحکمۃ ولا لاجر کو کہتے ہیں اگر وضو کا مقصد تقرب الی اللہ ہے تو عبادت ہے اور عبدیت ہے۔ اگر مقصود برودت کا حصول اور صفائی ہو تو اطاعت لغرض جسے عبدیت نہیں کہا جا سکتا۔ اور چونکہ منافق کی اطاعت و عبادت بھی لغرض ہوتی ہے۔ لہذا لفظ عبد کی وجہ سے منافق اس کے مصداق ہونے سے خارج ہو گیا۔

دراصل عبدیت میں انابت و توبہ ہے مسلمان جب خلوص دل سے وضو کرتا ہے تو گویا اس میں رجوع الی اللہ انابت اور توبہ کا تحقق بھی ہو جاتا ہے (جو منافق کو کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی) یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ جب بھی وضو کرتے تو چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ کسی کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کی تیاری کر رہا ہوں گویا وضو کرنے اور خدا کے حضور حاضر ہونے کے تصور سے انابت و رجوع الی اللہ کے آثار ان کے چہرے پر ظاہر ہو جایا کرتے تھے۔ بہرحال بہتر یہی ہے کہ یہاں اَوْ شک کے لئے ہے اور شک بھی امام ترمذیؒ کے اساتذہ میں قتیبہ یا انصاری کو ہوا ہے۔ یہی روایت نسائی کے صفحہ ۱۴ پر تفصیل سے آتی ہے۔ وہاں چونکہ امام نسائی کے استاد کو شک ہوا ہی نہیں اس لئے اس نے بالیقین لفظ مومن ہی روایت کیا۔ نسائی کی روایت کی اس تصریح کے بعد بلا ریب و شک ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں اَوْ شک کے لئے ہے۔

یہ بحث تو اس صورت میں ہے کہ حرف او تردید کے لئے ہو اور اگر حرف او کو تنویع یا تقسیم کے معنیٰ میں لیں تو مراد یہ ہو گی کہ مسلم و مومن ہر دو اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے مغائر ہیں لیکن دونوں میں تلازم ہے۔

فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین (الآیۃ)

کسی کو مومن کامل اور مسلم کامل اس وقت تک نہیں کہہ سکتے جب تک اسے مطلق ایمان کی دولت حاصل نہ ہو۔ جیسے صرف عامل بالاسلام کو مسلم کامل نہیں کہہ سکتے جب تک اسے قلبی اعتقاد حاصل نہ ہو۔ اسی طرح صرف معتقد (جسے قلبی تصدیق تو حاصل ہو) کو مومن کامل نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اسے عمل کی سعادت حاصل نہ ہو۔

ایمان اور اسلام میں فرق | حدیث کی مناسبت کی وجہ سے اختصاراً یہاں ایمان اور اسلام کا مفہوم اور فرق بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

اسلام کا لغوی معنیٰ کسی چیز کو دل سے ماننا ہے۔ وما انت بمؤمن لنا (الآیۃ)

اصطلاحاً اسلام۔ احکام شرعیہ کی اطاعت اور انقیاد ظاہری سے عبارت ہے اور تصدیق قلبی و انقیاد باطنی کو ایمان کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن میں دونوں مفہوم کے اعتبار سے متغائر بھی استعمال ہوتے ہیں۔

"قالت الاعراب آمنّا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا (الآیۃ)

مومن، کامل مومن، منافق اور فاسق | جس کو تصدیق قلبی اور انقیاد باطنی حاصل ہو وہ مومن کہلاتا ہے اور اگر اس کے ساتھ اس کو انقیاد ظاہری بھی حاصل ہے۔ تو کامل مومن ہے۔ اگر صرف ظاہری انقیاد حاصل ہے اور باطنی تصدیق سے محروم ہے تو منافق ہے اور اگر منقاد بحسب الباطن ہو مگر ظاہراً سے انقیاد حاصل نہیں تو وہ فاسق ہے گویا فاسق وہ ہے جس کا عقیدہ ٹھیک ہے مگر عمل خراب ہے۔ اور منافق وہ ہے جس کا عمل ٹھیک ہے مگر عقیدہ خراب ہے اور مومن کامل وہ ہے جس کا عقیدہ اور عمل دونوں درست ہوں۔

فغسل وجہہ | یہاں لفظ فاؔ میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ تعقیب کے لئے ہو۔ ۲۔ تفصیل کے لئے ہو۔ اگر فا کو تعقیب کے معنیٰ میں لیں۔ تو توضأ میں اراد مقدر مانیں گے۔ اور تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ اذا اراد العبد المسلم الوضوء فغسل وجہہ۔ اور یہ غسل وجہ عمل ہے اور ارادہ عمل سے مقدم ہے۔ اور اگر فاؔ کو تفصیل کے معنیٰ میں لیں پھر تقدیر عبارت کی ضرورت نہیں۔ فغسل وجہہ سے وضوء کی تفصیل کا بیان ہوگا۔

مگر یاد رہے کہ تطہر بغیر ارادہ کے بھی متحقق ہو جاتا ہے۔ جب کہ توضی کے لئے ارادہ اور نیت ضروری ہے۔

توضی اور طہارت میں نیت کا مسئلہ | جب فاؔ کو تعقیب کے لئے لیں (جیساکہ قرآن میں بھی متعدد مقامات پر تعقیب کے معنیٰ میں آئی ہے۔ مثلاً اذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰہ ای اذا اردت قراءۃ القرآن فاستعذ باللّٰہ) تو ہماری اس توجیہ پر شوافع حضرات کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ وضو تو عبادت مقصودہ نہیں بلکہ عبادت مقصودہ تو صلوٰۃ ہے۔ اور عبادت مقصودہ میں نیت ضروری ہے۔ عبادت غیر مقصودہ میں احناف نیت کے ضروری ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ مثلاً ایک آدمی نہر میں سے گذرا۔ بغیر ارادہ و نیت وضو کے اس کے اعضاء وضو دھل گئے یا بارش ہونے سے بغیر نیت وضو کے اس کے اعضا دھل گئے۔ تو اس کا وضو ہو گیا۔ تو عبارت حدیث میں لفظ اراد کو مقدر ماننے اور فاؔ کو تعقیب کے معنیٰ میں لینے کی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ عبادت غیر مقصودہ یعنی وضو وغیرہ میں بھی نیت کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ توضأ کا معنی اراد الوضوء ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہماری بحث یہاں وضو میں نہیں بلکہ طہارت میں ہے اور وضو کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وضو برائے جواز صلوٰۃ

۲۔ وضو برائے اجر و ثواب۔

جب وضو صرف اس لئے کیا جائے کہ محض نماز ادا کی جا سکے تو ایسا وضو نیت پر موقوف نہیں اور اگر وضو سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجر و ثواب کا حصول بھی مقصود ہو تو نیت کرنا ضروری ہے۔ وضو فی ذاتہ عبادت نہیں بلکہ عبادت کا وسیلہ ہے اور جو امور وسائل سے تعلق رکھتے ہیں شرعاً نیت ضروری نہیں۔ مثلاً ایسی زمین جو بول و براز سے نجس ہو چکی ہے رات کو اس زمین پر خوب بارش برسی جس سے نجاست کے اثرات ختم ہو گئے تو اب یہ زمین پاک ہو گئی۔ جب کہ اس زمین کی طہارت کا ارادہ کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔ احناف و شوافع دونوں اس کے قائل ہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ بعینہ وضو بھی زمین کی طرح عبادت غیر مقصودہ ہے۔ اس لئے اس میں نیت ضروری نہیں ہے۔ اور نماز وغیرہ عبادات مقصودہ سے ہیں اس لئے وہاں نیت بھی ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اذا توضأ فرمایا گیا ہے۔ اذا تطہر نہیں۔ طہارت کا معنی مطلق پاکی کا حصول ہے جس میں نیت ضروری نہیں اور یہ عام ہے وضو اور تیمم دونوں کو شامل ہے توضأ کے معنی وضارت اور روشنی ہے یعنی ایسا وضو جس پر وضارت اور نور مرتب ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں وضو کرنے والوں کو آخرت میں "غراً محجلین" سے نوازے جانے کی بشارت آئی ہے۔ احناف حضرات ایسے وضو میں نیت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اجر و ثواب کا ترتب اور وضارت بھی "من آثار الوضوء"[ا] سے ہے۔ من آثار الطہور سے نہیں۔ یعنی حدیث میں لفظ وضو آیا ہے لفظ طہور نہیں۔ لہٰذا اس حدیث میں بھی لفظ توضأ اس امر کا قرینہ ہے کہ یہاں وضو مراد ہے وضو بھی ایسا کہ جس پر وضارت یعنی ترتب ثواب دونوں مرتب ہوں۔

خروج خطایا اور جواہر و اعراض کا مسئلہ

خرجت من وجهه کل خطیئة .... حدیث باب سے معلوم ہوا کہ وضو کے پانی سے خطایا انسان کے اعضاء واندام سے خارج ہو کر بہہ جاتے ہیں حالاں کہ خروج اور دخول جواہر کے صفات میں سے ہے اور یہاں خروج کو خطایا کی صفت قرار دیا گیا ہے جب کہ خطایا اعراض غیر محسوسہ ہیں جن کا اتصاف بظاہر لفظ خروج سے نہیں۔ کیونکہ عوارض غیر قار الذات ہیں اور خروج ان چیزوں کی ممکن ہو سکتی ہے جو قار الذات ہوں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ خروج مکان سے ہوتا ہے جب کہ خطایا کا تقرر مکان میں ہوتا ہی نہیں کیونکہ خطایا غیر قار الذات ہیں۔ جب خطایا کا تقرر اور وجود ایک مکان میں ثابت نہیں تو خروج کیسے متحقق ہو گا۔

جواب اس اشکال سے متعدد جوابات کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ لسان نبوت کی بیان فرمودہ ان امثال کو بغیر کسی رد و قدح کے قبول کر لیا جائے۔ اور ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو تفویض کر دی جائے اور یہی بہتر ہے۔

[ا] عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان امتی یدعون یوم القیٰمۃ غراً محجلین من آثار الوضوء الخ متفق علیہ۔ مشکوۃ۔ کتاب الطہارۃ۔ فصل اوّل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ خروج الشیٔ عن الشیٔ مستلزم للمحو"۔ دراصل اس حدیث میں "تشبیہ المعقول بالمحسوس" کے طریقہ پر لفظ خروج محو ذنوب سے کنایہ ہے۔ حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ خرجت بمعنی غُفیت یا مُحیت یا غفرت لہ کل خطیئتہ کے ہے۔

۳۔ خرجت اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے۔ اس صورت میں مذکورہ اعتراض سے جواب یہ ہے کہ ذنوب اور خطایا باطن پر بھی اثر کرتے ہیں اور طہارت ان کا ازالہ کرتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے جب انسان توبہ کرے تو وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے۔ ورنہ مسلسل گناہوں سے دل پر سیاہ دھبے لگتے رہتے ہیں یہاں تک کہ قلب سیاہ ہو جاتا ہے[۱]۔

خطایا کی اس تاثیر کو قرآن نے ران سے تعبیر کیا ہے۔ "کلا بل ران علیٰ قلوبہم ما کانوا یکسبون۔ الایۃ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انہ لیغان علیٰ قلبی فاستغفر اللہ سبعین مرۃً او کما قال ؑ

اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر نہایت صاف و شفاف اور بے حد نازک اور حساس تھا۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے ایک بار آپؐ سے ایک معاملہ میں استفسار فرمایا کہ

لِمَ اَذِنتَ لہم۔ تو اس کے قبل عفا اللہ عنک فرمایا کہ اچانک اس انداز کے استفسار کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب مبارک کو غایۃ خشیت کی وجہ سے تحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ تو پہلے سے عفا اللہ عنک کہہ دیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حجر اسود جب جنت سے لایا گیا تو اس وقت وہ سفید چمکدار یاقوت تھا۔ "وکان اشدُّ بیاضاً من اللبن[۲]" لیکن مشرکین کے خطایا اور تلبس عصاۃ نے اسے سیاہ کر دیا۔

ان شرعی نصوص کے پیش نظر خطایا کی تاثیر (سوادِ قلب) کا خروج بھی ایک شرعی حقیقت بن جاتی ہے۔ دنیا میں گناہوں کا قلب پر اثر انداز ہونا مخفی ہے۔ لیکن قیامت کے دن ان تمام اعضاء و جوارح پر یہ اثرات نمایاں ہو جائیں گے۔ یوم تبیضّ وجوہ وتسودّ وجوہ۔

یہاں حدیث میں بھی۔ لفظ خطیئۃ سے قبل مضاف محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے۔

خرجت من وجہہ اثر کل خطیئۃ۔

---

[۱] ان العبد اذا اذنب ذنباً نکتت فی قلبہ نقطۃٌ سوداء فاذا تاب ونزع واستغفر صقل قلبہ وان عادت زادت حتی تعلو قلبہ (اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ والحاکم عن ابی ہریرۃؓ)

[۲] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل الحجر الاسود من الجنۃ وہو اشد بیاضاً من اللبن فسوّدتہ خطایا بنی آدم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۷۔ باب قصۃ حجۃ الوداع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ خروج خطایا سے مراد خطایا ذوالاجسام ہیں۔ وو جدوا ما عملوا کی تفسیر میں بیضاوی اور جلالین نے صراحتہً لکھا ہے کہ آخرت میں بعینہ وہی اعمال پائیں گے جو دنیا میں انہوں نے کئے تھے[1]

اس توجیہہ پر اشکال وارده سے ہم دو جواب کرتے ہیں۔

سائنسی ایجادات اور فہم حقائق | ۱۔ اعراض کے لئے بھی بقا ثابت ہے اور موجودہ سائنس نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ مثلاً آج کے اس سائنسی دور میں بہت سے اعراض ایسے ہیں جس کو لوگ پہلے غیر قار الذات سمجھتے تھے آج ان کو قار الذات مانا جاتا ہے۔ مثلاً ریڈیو۔ ٹیپ ریکارڈ اور ٹی وی کے ذریعہ انسانی آوازیں اور حرکات تک محفوظ کی جا رہی ہیں حتیٰ کہ زمانہ ماقبل کے لوگوں افلاطون اور ارسطو کی آواز تک کو ریکارڈ میں لانے کی کوشش آج کل جاری ہے۔

اسی طرح حرارت اور برودت کے درجات آسانی سے معلوم کرلئے جاتے ہیں۔ یہ سب اعراض ہیں جن کو آسانی سے تولا اور ناپا جا رہا ہے۔ سائنس کی اس ترقی نے "الوزن یومئذ الحق" کی پیشین گوئی اور قرآنی حقیقت کو سمجھنے میں آسانی پیدا کر دی ہے۔ یہ تو انسانی سائنس کا کرشمہ ہے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے گناہ اس کے وجود کے اعضاء اور جوارح کے ریکارڈ میں محفوظ کئے جا رہے ہیں، تو اسے امر بعید تصور کرنا ایک سچائی اور حقیقت کا انکار ہے۔

بہرحال جس طرح مذکورہ اعراض کا محفوظ کرنا اور تولنا ایک حقیقت ہے اسی طرح انسانی اعضاء سے بھی اصل خطایا کا خروج ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ صوفیاء حضرات فرماتے ہیں کہ اس عالم جس کو ہم عالم مشاہدہ کہتے ہیں کے ماوراء ایک دوسرا عالم بھی ہے۔ جیسے عالم مثال اور اس کے ماوراء ایک تیسرا عالم ہے۔ جیسے عالم ارواح کہتے ہیں جو چیزیں یہاں عالم مشاہدہ میں اعراض اور اوصاف کی صورت میں پائی جاتی ہیں۔ وہی اشیاء عالم مثال میں مخصوص صور مثالیہ میں متجسد ہو کر جواہر بن جاتی ہیں۔ جن پر ان عوالم کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ تو ان کو عالم مثال کی اشیاء ایسے نظر آتی ہیں جیسے عالم مشاہدہ کی۔

اس لئے حضرات صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خطایا جو عالم مثال میں جواہرات ہیں حقیقتاً بھی ان ہی کا خروج ہوتا ہے مگر تمام جواہرات کا محسوس ہونا اور مشاہدہ میں آنا ضروری نہیں۔ جیسے عقل جوہر ہے مگر محسوس نہیں ہوتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت جبرئیلؑ اور وحی کا مشاہدہ ہوتا تھا۔ مگر صحابہ کرامؓ کے

---

[1] اس کی تمثیل احادیث میں بھی آئی ہے۔ مثلاً آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کے ذریعہ خطایا اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح پت جھڑ (خزاں) کے زمانہ میں درختوں سے پتے جھڑ جاتے ہیں (مرتب)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشاہدہ سے یہ چیز بلند تھی۔

اسی طرح خطایا بھی جواہر ہیں جو قائم بالجوارح ہیں مگر ہر ایک کے لئے ان کا دیکھنا نہ آسان ہے اور نہ ضروری۔

او نحو ہذا | اگر اس کا تعلق "مع الماء اور مع آخر قطر الماء" سے ہو تو او شک کے لئے ہے اور راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے مع الماء فرمایا یا مع آخر قطر الماء فرمایا ہے۔ اور اگر اس کو "آخر قطر الماء" سے متعلق کر دیں تو پھر او تفریع کے لئے ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ راوی کو بعینہٖ الفاظ یاد نہیں ہیں۔ مگر مراد یہی ہے جیسے عام طور پر جب حدیث پڑھی جاتی ہے تو آخر حدیث پر یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ معنوی اتحاد تو ہے ہی مگر الفاظ کما حقہ یاد نہیں۔ اس سے انسان اعراب کی غلطی وغیرہ کے گناہ سے بچ جاتا ہے جیسے کہ امام طحاویؒ نحوہ وہاں لاتے ہیں جہاں معنوی اتحاد ہو اور دونوں کی مراد بھی ایک ہو۔

خرجت من وجہہ کل خطیئۃ!

وضو سے گناہوں کا ازالہ اور اشکال کا حل | حدیث کے ان الفاظ کے اطلاق اور عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ خطایا صغائر ہوں یا کبائر وہ سب وضو سے معاف ہو جاتے ہیں۔ حتی یخرج نقیا من الذنوب جب کہ بعض قطعی نصوص سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اور یہی مذہب معتزلہ کا ہے اور ان کا استدلال یہ ہے۔ کہ بعض نصوص میں کبائر کی استثنا منصوص ہے اور ان کی معافی بھی توبہ کے ساتھ مشروط ہے۔ مثلاً

۱۔ ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلاً کریما۔

۲۔ ومن لم یتب فاولئک ہم الظالمون۔ الآیہ

۳۔ الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینہن ما اجتنبت الکبائر (حدیث متفق علیہ)

اس روایت کے پیش نظر معتزلہ کہتے ہیں کہ جب صلوٰۃ خمس، جمعہ اور صیام مکفرات کبائر نہیں ہیں تو وضو جو نماز کا وسیلہ اور عبادت غیر مقصودہ ہے اس سے کس طرح کبائر کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ تو زیر بحث حدیث میں خرجت من وجہہ کل خطیئۃ اور حتی یخرج نقیا من الذنوب کی صحیح مراد کیا ہو سکتی ہے۔

جواب:- ۱۔ اکثر اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ توبہ اور حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کبائر تو معاف فرما ہی دیتے ہیں اور اگر چاہیں تو بغیر توبہ کے بھی کبائر معاف فرما دیں۔

۱۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء (الآیۃ)

۲۔ والذین لا یدعون مع اللہ الہاً آخر (تا) الا من تاب وآمن وعمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات۔ (الآیۃ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ ان الحسنات یذھبن السیئات (الآیۃ)

اللہ تعالیٰ نہ صرف سیئات کو معاف کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ان کو حسنات سے بھی بدل دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث قرطاس میں آتا ہے کہ حشر میں ایک آدمی کے صغائر کا رجسٹر اس کے سامنے لایا جائے گا اور ایک ایک گناہ اس کو سنا دیا جائے گا۔ اپنے کثیر گناہوں کو دیکھ کر اس کو یقین ہو جائے گا کہ میں جہنم ہی کا مستحق ہوں مگر باری تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس کو اس کے ایک ایک گناہ کے بدلے حسنات سے نوازیں گے جب وہ اپنے ساتھ باری تعالیٰ کا اس قدر کریمانہ معاملہ دیکھے گا۔ تو پھر اپنے کبائر کو یاد کر کے عرض کرے گا کہ میرے تو کچھ گناہ بھی ہیں جو اس رجسٹر میں درج نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کبیرہ گناہوں کے بدلہ بھی اس کو نیکیوں اور حسنات سے نوازیں گے[1]

مغفرت ذنوب کا معاملہ خالص اللہ کی مرضی پر ہے

گناہوں کے بدلہ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و کرم اس کی نظیر بعینہٖ وہی ہے کہ ہم تو اپنے کھیتوں میں کھاد کی غرض سے غلاظت ڈالتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ان سے پھل پھول اُگ آتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں جس قدر احادیث بھی وارد ہوئی ہیں ہم ان کو اپنے اطلاق پر رکھتے ہیں اور ان میں صغائر کی تخصیص کی توجیہہ نہیں کرتے۔ مثلاً

۱۔ والحج المبرور لیس لہ جزاءٌ الا الجنۃ[2] (الحدیث)

حدیث میں جنت کی جزا ہر اس شخص کے لئے منصوص ہے جسے حج مبرور حاصل ہوا اور یہ ممکن ہے کہ اس سے صغائر اور کبائر دونوں کا صدور رہا ہو۔

۲۔ السیف محاء الذنوب (الحدیث)

۳۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (الآیۃ)

قرآن کی اس قطعی نص میں عمومیت ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ خواہ صغائر کا مرتکب ہو یا کبائر کا۔ جب خدا تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گیا تو اس کے لئے مغفرت بھی ہے اور جنت کی دائمی زندگی بھی۔ غرضیکہ کثیر آیات و احادیث اس امر پر دال ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو کبھی نیک عمل کے جزا میں بغیر توبہ کے بھی کبائر معاف فرما دیں اس لئے متقدمین حضرات نے ذنوب کی تقسیم کئے بغیر مغفرت ذنوب کا معاملہ خواہ وہ کبائر ہوں یا صغائر اللہ تعالیٰ ہی کو تفویض کر دیا ہے۔ کہ اگر خود رب العزت چاہیں تو کبائر بھی معاف فرما دیں اور اگر نہ چاہیں تو صغائر بھی معاف نہ کریں۔

---

[1] صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۳۳۔ ابواب المظالم والقصاص، باب قول اللہ لعنۃ اللہ علی الکٰذبین [2] جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۵ کتاب المناسک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت گنگوہی کی توجیہ | ۲۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے یہاں توجیہ کی ہے اور خوب کی ہے کہ اس حدیث میں وضو سے گناہوں کے جھڑ جانے کی جو بشارت آئی ہے وہ مطلق اور عام ہے اور یہاں گناہوں کو صغائر اور کبائر میں تقسیم کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ اس حدیث میں متوضی کو العبد المسلم کہا گیا ہے اور حتی یخرج نقیاً من الذنوب محض متوضی پر حمل نہیں بلکہ العبد المتوضی پر حمل ہے کسی چیز پر حکم لگاتے وقت اس کا مادہ اشتقاق ضرور ملحوظ ہوتا ہے۔ لہذا یہاں بھی متوضی سے وہی شخص مراد ہو سکتا ہے جو اطاعت لا تعرض کرتا ہو جس میں عبدیت کاملہ اور اسلام کامل موجود ہو۔ جو وضو کرتے وقت اطاعت فرماں برداری، ذکر واستغفار اور توبہ وانابت کی کیفیت سے سرشار ہو ایسا عبد یقیناً تائب ہوتا ہے اور یہی کیفیت وہی توبہ مطلوب ہے جس سے صغائر وکبائر سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۳۔ اور ایک توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ کبائر وصغائر کی تقسیم کے بجائے ہم حدیث میں مذکور الفاظ کا تتبع کرتے ہیں تو لغت کے اعتبار سے ذنوب کا معنی عیوب ہے اور ذنب عیب کو کہتے ہیں۔ اور یہ ذنب تمام گناہوں میں ادنیٰ واضعف درجہ ہے۔ اب مجازاً چھوٹے بڑے سب گناہوں پر اس کا اطلاق آتا ہے مگر یاد رہے کہ ہر ذنب گناہ نہیں ہوتا۔ جیسے جسم پر داغ لگ گیا یا داڑھی میں بلغم اٹک گیا۔ جو عیب تو ہے مگر ذنب نہیں۔ ذنوب کے بعد خطایا ہیں خطیئہ نادرست کام کو کہتے ہیں۔ جس میں کرنے والے کے قصد کو دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً قتل خطا وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر قصاص نہیں ہے بلکہ دیت ہے۔

سیئات اور معاصی بھی خطایا کے بعد علی حسب الترتیب گناہوں کے مراتب ودرجات ہیں اور ان کا تعلق کبائر سے ہے۔ حدیث باب میں ذنوب اور خطایا کا ذکر ہے جو لغت کے اعتبار سے صغائر ہیں۔ باقی رہے سیئات اور معاصی، حدیث ان سے ساکت ہے[1]

نظر الیہا بعینہ | اشکال۔ حدیث باب میں نظر الیہا اور آگے بطشتہا کی ضمیر کا مرجع خطیئہ ہے جو ایک

---

[1] اور ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ ایسے مواقع پر علی العموم آپؐ بعض اعمال کی مفرد خاصیت بیان فرماتے ہیں یعنی دیگر موانع وعوارض سے قطع نظر وہ اثر جو تنہا اس فعل پر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً آپ نے کلمہ طیبہ کا ... مزاج اور خاصیت یوں فرمائی کہ "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" مگر یہ ایک شرعی حقیقت ہے کہ دخول جنت تب ہو گا جب دیگر عوارض موانع اور کبائر نہ ہوں ورنہ دونوں کا مخلوط اثر مرتب ہو گا۔ مراد یہ ہے کہ نہ اولاً سیدھا جنت میں جائے گا اور نہ بوجہ گناہوں کے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ یہاں بھی وضو کی محض مفرد خاصیت اور اس پر مرتب ہونے والا اثر بتایا گیا ہے کہ وہ انسان کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ متوضی گناہوں پر مصر نہ ہو۔ اور کبائر سے تائب ہو۔ (مرتب)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر محسوس چیز ہے نہ تو نظر آسکتی ہے اور نہ اس کا بطش ممکن ہے تو پھر یہاں نظر اور بطش سے تعبیر کرنے کی صحیح مراد کیا ہو سکتی ہے۔

جواب۔ صفت استخدام کے طریقہ سے یہاں ذکر مسبب کا ہے اور مراد سبب ہے۔ اطلاقاً لاسم المسبب علی السبب مبالغۃً

اعضاء وضو میں تخصیص عین کی وجہ | عین کو تثنیہ لانے سے اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ جب دونوں آنکھوں کی خطائیں معاف ہو سکتی ہیں تو ایک آنکھ کی تو بطریق اولیٰ معاف ہو جاتی ہیں اگر لفظ عین کو مفرد لایا جاتا تو یہ وہم باقی رہتا کہ خدا جانے دونوں کے خطایا بھی معاف ہوں گے یا نہیں۔

سوال۔ گناہ زیادہ تر ہاتھ، پاؤں، کان اور لسان سے ہوتے ہیں۔ یہاں حدیث میں آنکھ اور ہاتھوں کے گناہوں کی تخصیص کیوں مذکور ہے۔

جواب۔ حدیث باب میں اختصار ہے۔ مصنفؒ نے بھی عام محدثین حضرات کی طرح مدعا کے اثبات کے لئے حدیث کا ایک ٹکڑا لے کر باقی حصہ چھوڑ دیا ہے۔ یہ اختصار فی الحدیث نہیں بلکہ راوی کا اختصار ہے۔ شرح نخبہ اور مقدمہ مشکوٰۃ میں ہے کہ حدیث کا جو حصہ غیر متعلق مع المذکور ہو۔ اسے ترک کر دیا جاتا ہے[1] یہی روایت نسائی کے ص ۴۲ پر تفصیل سے مذکور ہے جس میں آنکھوں اور ہاتھوں کے علاوہ دیگر اعضاء و اندام کا بھی تفصیلاً ذکر آیا ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ نظر کی خطایا تمام اعضا کی خطایا سے کثیر اور سہل ہیں نیز اس جانب بھی اشارہ مقصود ہے۔ کہ وضو کرتے وقت آنکھ کے اندر (جو گویا محل گناہ ہے) پانی داخل نہیں ہو سکتا۔ جب کہ دیگر اعضاء و جوارح (محل گناہ) پر پانی بہہ کر گناہوں کو لے بہاتا ہے۔ اس حدیث کی اس تصریح سے کہ آنکھ کے اندر پانی نہ پہنچنے کے باوجود بھی اس کے خطایا بہہ جاتے ہیں تو وہ اعضا جن کو پانی آسانی سے پہنچتا ہے اور اس پر پانی بہتا ہے سے خطایا بطریق اولیٰ جھڑ جاتے ہوں گے۔

مع الماء او آخر قطر الماء | ۱۔ او شک کے لئے ہے۔ یعنی راوی کو الفاظ میں شک ہے کہ مع الماء کے الفاظ تھے یا مع آخر قطر الماء کے الفاظ تھے۔

۲۔ او بمعنی احد الامرین کے ہے اس توجیہہ کے پیش نظر مراد یہ ہے کہ ایسے گناہ جن کا تعلق اعضاء کے ساتھ ضعیف اور کمزور ہے اور وہ گناہ بھی اسہل اور اضعف ہیں وہ تو اول غسل ہی سے دھل جاتے ہیں مگر وہ خطایا جو قوی اثقل اور سخت ہیں وہ پانی کے آخری قطرہ سے زائل ہو جاتے ہیں۔

---

[1] ان وجدت آخر بعضہ متروکاً علی اختصارہ او مضموماً الیہ تمامہ فعن داعی اہتمام اتر کہ والحقہ (مقدمہ مشکوٰۃ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماء مستعمل جب اس حدیث سے یہ معلوم کہ جس پانی سے ہم وضو کرتے ہیں یقیناً اس کے ساتھ گناہ مختلط ہو کر جھڑ جاتے ہیں۔ اب یہ پانی جو وضو کے لئے مستعمل ہوا ہے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اس کے بارہ میں اجمالاً اتنا یاد رکھیں کہ ماء مستعمل وہ ہے جس پانی کو تقرب کی نیت سے استعمال کیا جائے (جیسے حدیث نے العبدالمسلم سے تعبیر کیا ہے) چاہے وضو علی الوضو کیوں نہ ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ پانی نجس ہے بنجاستۃ غلیظہ۔ امام ابو یوسفؒ ماء مستعمل کو نجاست خفیفہ کہتے ہیں۔ جو بقدر ربع ثوب معاف ہے۔ امام محمدؒ اسے طاہر غیر طہور کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ طاہر و طہور کا حکم لگاتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی نظر حد درجہ عمیق ہے۔ آپ تقرب کی نیت سے استعمال ہونے والے پانی کو ماء مستعمل کہتے ہیں۔ (بخلاف اس پانی کے جو تنظیف، تطہیر یا تبرید کی غرض سے بغیر نیت تقرب کے استعمال کیا جائے کہ وہ ماء مستعمل نہیں ہے) اس مسئلہ میں امام اعظم کا اصل استدلال زیر بحث حدیث سے ہے۔

انسانی بول و براز کیوں ناپاک ہے امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ اصل منجس گناہ ہے۔ انسان کا بدن پاک ہے اور طعام بھی۔ لیکن بدن اور طعام اور نظام ہضم کے عمل سے جو چیز (فضلہ) تیار ہوتی ہے وہ ناپاک ہے۔ عقلاً اسے بھی پاک ہونا چاہئے تھا۔ شاید کوئی یہ کہے کہ بدبو اس کے نجس ہونے کی باعث ہے۔ یہ بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ کسی چیز کے بدبودار ہونے سے اس کا نجس ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ اصل منجس گناہ ہے اور گناہ کا محل قلب ہے جس میں حسد، بغض، تکبر اور کم سے کم غفلت عن الذکر تو موجود ہی رہتی ہے اور یہ طعام اندر جا کر اس کے گناہ (جو اصل نجاست ہے) کے ساتھ مختلط متلبس ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی نجس ہو جاتا ہے۔ قاضی عیاضؒ تمام احناف کا اس بات پر اجماع نقل فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کے بول و براز پاک ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ انبیاء کے قلوب گناہوں سے پاک ہیں اور ان کے طعام کا اختلاط گناہ کے ساتھ آتا نہیں۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کے بول و براز کو زمین نگل جاتی اور اس جگہ پر عطر کی سی خوشبو محسوس ہوتی۔ حضرت ام ایمنؓ نے جب آپ کا بول قصداً یا بلا قصد کے پی لیا اور پھر بعد میں آپ کو اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ تیرے بدن کے تمام امراض زائل کر دے گا۔

بہرحال آپ کے بول و براز پاک ہیں مگر آپ نے تعلیم امت کے لئے عام حالات میں ان کے ساتھ معاملہ وہی کیا ہے جس کا آپ نے امت کو حکم دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا قول ان کی فراست اور کشف پر مبنی ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب وضو کرنے سے انسان کے خطایا و ذنوب (جو اصل نجاست ہیں) پانی کے اختلاط سے بہنے لگتے ہیں اور پانی کے ساتھ مختلط ہو جاتے ہیں تو یقیناً پانی کو بھی نجس کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی ایک مرتبہ کسی آدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے وضو کے دوران اس کے مارِ مستعمل پر نظر پڑی تو فرمایا کہ بھائی! ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو۔ جب پوچھا گیا کہ حضرت آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ مارِ مستعمل کے اجزا میں والدین کے عاق ہونے (نافرمان) کے اجزا مخلوط نظر آتے ہیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ زانی کے ساتھ پیش آیا۔ کہ امام ابو حنیفہؒ نے مارِ مستعمل کے اجزا میں زنا کی معصیت کے آثار کو مخلوط دیکھ کر اس کو زنا سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

پھر بعد میں امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "مجھ سے اس کشف کا علم مرتفع کر لے"۔ وجہ یہ ہے کہ اکرام مسلم ضروری ہے۔ جب کسی انسان کے عیوب منکشف ہوتے رہیں گے تو قلباً جو احترام و اکرام ضروری ہے وہ باقی نہ رہے گا۔ کسی انسان کے عیوب اور گناہ کے معلوم ہونے سے دل میں اس کے لئے محبت کے بجائے کراہیت و نفرت پیدا ہوگی۔

قولِ مفتی بہ | فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ احکام شریعت کی بنا ظاہر پر ہے اور احکام باطنی امور پر نہیں صادر ہوتے (یعنی وضو کے دوران گناہ کا اختلاط پانی کے ساتھ) اس کا تعلق باطنی اور معنوی امور سے ہے۔ چونکہ اعضا و جوارح پر بظاہر نجاست موجود نہیں ہے۔ اس لئے پانی کے طاہر ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ جیسا کہ امام محمد کا مسلک ہے۔ مگر یاد رہے کہ بحسب الدلیل بات امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کی خوب ہے۔

امام بخاری کا یہ مسلک کہ مارِ مستعمل طاہر بھی ہے طہور بھی۔ اس وجہ سے کمزور ہے کہ ایسا مسافر جس کے پاس لوٹا پانی کا موجود ہو اس کو تیمم کرنا جائز ہے۔ اگر مارِ مستعمل طہور ہوتا تو پھر اس کے لئے ہر بار مارِ مستعمل کو محفوظ کرنے اور پھر اسی سے وضو کرنے کی اجازت ہوتی۔ اور پانی کی موجودگی میں تیمم کے جواز کی کوئی گنجائش نہ ہوتی:

بقیہ از صفحہ ۲۹

"دارائے حمیتِ اسلامی و دانائے فضائل غیرتِ ایمانی سلطان بلند اختر یکہ بصیقلِ تیغ بیدریغ زنگ ظلمت شرک بت پرستی و رنگِ تیرہ جاہلیہ و بدمستی زنا دورترین حدودی انہ کشورِ ہنود و در شیرہند عبادت غیر اللہ را بیخ کن سلطان محمود غزنوی بُت شکن۔"

میں نے یہ عبارت اپنی ڈائری میں اس وقت محفوظ کی جب مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو اپنے جدِ امجد کے گاؤں اوبا کو دیکھنے کے لئے غزنی سے ۶۰ میل دور جنوب مغرب میں قندھار جانے والی سڑک پر سفر کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے سلطان کے روضہ پر فاتحہ کے لئے رکا۔ اس عبارت کو پڑھنے کے بعد اپنی تاریخ کے سنہری باب اور روشن اوراق تیزی سے میری آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگے۔ اور آج بھی یہ عبارت میرے لئے ایک بے بہا سرمایہ افغان، پٹھان، پختون، پشتون انہیں کسی نام سے پکاریئے۔ انہوں نے ایک سپر پاور کے خلاف حریت و حمیت کا ناقابل یقین مظاہرہ کر کے ساری دنیا سے اپنی عظمت کا لوہا منوا لیا ہے اور اپنی پرانی روایات کو از سرِ نو زندہ کر دیا ہے۔ انہیں ناسمجھ کہنا اپنی ناسمجھی اور خون کی سردی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

© rasailojaraid.com